© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مدارس عربیہ کے لئے ایک لمحۂ فکر

از

(سعید احمد)

(۵)

علوم غیر دینیہ ہمارے قدیم درس نظامی میں علوم و فنون دینیہ و عربیہ کے ساتھ کچھ ایسے علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں جو نہ دینی ہیں اور نہ عربی اور یہ علوم صرف پڑھائے ہی نہیں جاتے بلکہ اُن کی تعلیم پر کافی وقت اور محنت صرف کی جاتی ہے اور پھر مدارسِ عربیہ سے جو حضرات فارغ التحصیل ہوتے ہیں ان میں سے بعض کا طغرائے امتیاز یہی ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑے منطقی ہیں یا فلسفی ہیئت کے امام ہیں یا ریاضیات میں ان کو بڑی دسترس ہے۔ ان علوم و فنون کا درسِ نظامی میں شامل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اسلافِ کرام جنھوں نے یہ نصاب بنایا تھا وہ اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کرتے تھے کہ علمائے دین کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ اور ان کے ممدو معاون علوم و فنون سے واقف ہوں بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ وقت کے مروجہ علوم و فنون سے بھی باخبر ہوں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلافِ کرام کے اس اعتقاد و خیال کی بنیاد امور ذیل پر تھی!

(۱) قرآن مجید میں اور احادیث میں متعدد مقامات پر تاکید کی گئی ہے کہ علم حاصل کرنا چاہیے جو علم غیر نافع یا مضر ہے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے لیکن وہ علوم و فنون جو دماغ میں انجلا پیدا کریں جن سے انسانی تجربہ میں پختگی اور استحکام پیدا ہو۔ جو انسانی افکار و خیالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انقلاب آفرینی کریں اور جن سے انسانی تہذیب و تمدن کو فائدہ پہنچے ان علوم کا حاصل کرنا اسلام میں نہ صرف یہ کہ مباح اور جائز ہے بلکہ اس اعتبار سے اس کو فرض کفایہ کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم و فنون میں سربراہی اور دستگاہ کو قومی ترقی اور سیاسی نہضت و رفعت میں بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔

(۲) بعض علوم و فنون کا مذہب سے براہ راست تو کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن بالواسطہ ان کے اثرات بہت گہرے اور دور رس ہوتے ہیں اور انسان کا مذہبی شعور بھی ان اثرات کی زد سے محفوظ نہیں رہتا۔ مثلاً فلسفہ اور اس کی مختلف شاخیں، ان علوم کا حاصل کرنا علمی افادیت سے قطع نظر، دین کی تبلیغ و اشاعت اور اس کی حفاظت و صیانت کے پیش نظر بھی ضروری ہوگا تاکہ اسلامی عقائد و افکار پر جس طرف اور جہت سے حملوں کا اندیشہ ہو ان کے خلاف مورچہ بندی کر لی جائے، اور مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو ضلالت فکر و عمل سے بچایا جا سکے۔

(۳) بعض علوم و فنون ایسے ہیں جن کا مذہب سے اگرچہ کوئی تعلق نہیں ہے لیکن قرآن مجید کے بیان کردہ حقائق مثلاً عروج و زوالِ اقوام کے اسباب۔ نفسیاتِ خیر و شر۔ انسانی فکر و شعور کا تدریجی ارتقا۔ بقائے اصلح۔ اصولِ حکومت و سلطنت۔ اصولِ معیشت اور ان کے علاوہ دوسری اسلامی تعلیمات۔ ان کے سمجھنے میں یا ان سے متعلق یقین و اعتقاد کی پختگی میں مدد ملتی ہے تو ظاہر ہے کہ علمی اور دینی دونوں قسم کے نقطۂ نظر سے ان کا حاصل کرنا بھی بحیثیت مجموعی ضروری ہوگا اس قسم کے علوم میں تاریخ۔ اقتصادیات۔ سائنس۔ علم الالسنہ، علمِ آثار قدیمہ اور ان سے متعلقہ علوم و فنون داخل ہیں۔

بہرحال سطور بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مدارسِ عربیہ کا کام دینی علوم کے ساتھ بعض غیر دینی علوم و فنون کی تعلیم بھی ہونا چاہئے۔

اس اصول کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد اب ہم کو موجودہ علوم و فنون غیر دینی جو مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ان کی علمی حیثیت اور ان کی تدریس کے لئے جو کتابیں تجویز شدہ ہیں ان پر ایک نگاہ ڈالنی چاہئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ظاہر ہے کہ منطق، فلسفہ، ہیئت یہ سب علوم عقلی ہیں اور عقل و شعور انسانی یونانیوں کے عہد سے لے کر اب تک ترقی، تجربہ اور فکر کی جو منزلیں طے کر چکی ہے اس کے پیش نظر فلسفہ یونان ہیئت اور اس عہد کے دوسرے علوم صرف ایک تقویم پارینہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان علوم کا جاننا ان علوم کی تاریخ کے طالب علم کے لئے تو اس لئے اب بھی ضروری ہے کہ ان کے بغیر وہ ان علوم کے تدریجی ارتقار کی مختلف کڑیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و منظم نہیں کر سکتا۔ لیکن صرف اسی پر قناعت کر لینا اور اب ان علوم میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے بے خبر رہنا نہ دین کے لئے کچھ مفید ہے اور نہ علمی حیثیت سے اس کی کوئی قدر و قیمت اور اہمیت ہے۔ آج انھیں علوم میں سے ہر علم کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو ایک مستقل علم بنا دیا گیا ہے اور پھر ہر حصہ کے لئے معلومات و تحقیقات کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ مہیا ہو گیا ہے کہ علم و حکمت یونان کی پوری کائنات سمندر کے سامنے ایک جوئے پایاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً قدیم منطق میں قیاس اور استقرار دونوں کو ایک ہی جگہ اور ایک ہی کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ اور جدید منطق میں دونوں کو فن کی دو مستقل شاخیں قرار دے کر الگ الگ ہر ایک سے متعلق بہت مفصل اور مبسوط بحث کی گئی ہے۔ یہی حال تمثیل کا ہے۔ ہمارے ہاں منطق کی اونچی کتابوں میں علم اور وجود دونوں کی حقیقت سے ایک ہی کتاب میں بحث کی گئی ہے لیکن اب ان میں سے ہر ایک ایک مستقل علم ہے۔ یعنی علم العلم اور علم الوجود جن کو ONTOLOGY اور ONTIMOLOGY کہتے ہیں پھر فلسفہ کا عالم تو اور ہی دگرگوں ہے ہمارے یہاں حکمت نظری اور حکمت عملی دونوں کو اور ان کے ماتحت جو اقسام داخل ہیں سب کو گڈمڈ ایک ہی جگہ ذکر کر دیتے ہیں اور یہاں ہر قسم مستقل ایک علم ہے اور ہر علم کے الگ الگ ماہرین ہیں جنہوں نے عمریں اسی ایک علم پر صرف کر دی ہیں، علاوہ بریں موجودہ فلسفہ کو یونانی فلسفہ پر اس وجہ سے مزید برتری حاصل ہے کہ یونانی فلاسفہ زیادہ تر عالم خیال میں پرواز کرتے تھے اور اس بنا پر بسا اوقات غلط یا کم از کم غیر واضح نتائج تک ان کی رسائی ہوتی تھی لیکن چونکہ موجودہ فلسفہ کو سائنس کے ساتھ ربط باہمی ہے اور یورپ کے بہت سے فلاسفہ سائنس داں بھی ہیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے یہ فلسفہ حقائق کا بالکل صحیح ترجمان نہیں تو حقائق سے بہت زیادہ قریب آگیا ہے، اور اس بنا پر ذہن کو انجلا اور فکر و خیال کو پختگی بخشتا ہے۔ پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ آج دنیا کا عظیم الشان فکری و ذہنی انقلاب جہاں صنعت و حرفت اور سائنس کا مرہون احسان ہے۔ اس میں بہت بڑا دخل فلسفۂ جدید کو بھی ہے اور خاص طور پر اس نے اخلاقیات کی دنیا میں تو وہ بحران عظیم پیدا کیا ہے کہ حسن و قبح کا معیار اور اشیا کے اقدار کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

منطق اور فلسفہ کو صرف بطور ایک مثال کے بیان کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس عربیہ میں ان دونوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور ایک طالب علم کی عمر کا بڑا وقت ان پر خرچ ہو جاتا ہے ورنہ تاریخ۔ جغرافیہ۔ اقتصادیات۔ سیاسیات۔ ریاضیات وغیرہ وغیرہ کتنے علوم و فنون ہیں جو آج اوج کمال کو پہنچے ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ درس نظامی میں غیر دینی علوم کے شامل کرنے سے ہمارے بزرگوں کا جو مقصد تھا وہ ہرگز اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم ماضی کے ان نقوش کو چھوڑ کر عہد حاضر کی علمی اور فکری ترقیات سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

انگریزی زبان کی اہمیت

علوم جدیدہ پر گفتگو کرتے وقت ذہن خود بخود انگریزی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور ایسا ہونا ناگزیر ہے، کیوں کہ جس طرح ایک زمانہ میں یورپ اور ایشیا دونوں جگہ عربی علمی زبان تھی۔ اسی طرح اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آج دنیا کی سب سے بڑی علمی زبان انگریزی ہے۔ اس زبان کی ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ اور تو اور آج خالص اسلامیات کا ایک طالب علم بھی اپنی ریسرچ اس وقت تک مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ انگریزی زبان سے استفادہ نہ کرے۔ اسلامی فلسفہ، اسلامی تاریخ، عربی زبان کی تاریخ، عربی ادب، اسلامی فقہ، علم الکلام، اصول حدیث، علم طب، کیمیا، علم المرایا والمناظر، اسلامی فن تعمیر، تصوف، الاسماء والرجال، یہ اور ان کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم و فنون، ان سب پر محققین یورپ نے جو داد تحقیق دی ہے اور عمریں صرف کر کے ان سے متعلق جو عظیم سرمایہ مہیا کر دیا ہے اور جس میں برابر اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اسلامیات کا کوئی ریسرچ اسکالر ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، اگرچہ یہ سرمایہ فرانسیسی، جرمنی، اطالوی، پرتگالی اور انگریزی ان سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبانوں میں بکھرا ہوا ہے لیکن انگریزی ان سب میں زیادہ وسیع اور عالمگیر ہے۔ فرانسیسی اور جرمنی میں اسلامیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے متعدد کتابوں کے تراجم خود انگریزی میں ہو چکے ہیں۔

انگریزوں کے ساتھ عناد کے باعث بعض مدارس میں انگریزی سے بھی نفرت یا کم از کم استکراہ کا برتاؤ کرنا طبعی بات تھی لیکن بہرحال اب وہ دور ختم ہو گیا ہے اور اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ انگریزی کے ساتھ علیحدگی کا وہی معاملہ کیا جائے۔

پھر یہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ انگریزی زبان آج بین الاقوامی خط و کتابت، اور بین الاقوامی تحریر و تقریر کی زبان ہے اور اس بنا پر کسی قوم کے لئے اپنے نظام فکر اپنے مذہب اور اپنے کلچر کی بین الاقوامی اشاعت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ وہ انگریزی زبان کو اشاعت کا ذریعہ نہ بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے برادران وطن کی کتنی ہی سوسائٹیاں ہیں جو بنیادی طور پر مذہبی اور روحانی ہیں اور وہ اپنے مشن کی اشاعت انگریزی ہی کے ذریعہ کر رہی ہیں۔ علمائے حق کے انگریزی سے نابلد اور ناواقف ہونے کا آج نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام سے متعلق جو کچھ کام ہو رہا ہے وہ ان حضرات کے ذریعہ ہو رہا ہے جن کو طبقۂ علماء میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور ان میں اکثریت تو ان لوگوں کی ہے جن کو صحیح عقائد اہل سنت والجماعۃ کا حامل بھی نہیں کہا جا سکتا کون کہہ سکتا ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا اتنا بڑا میدان دوسروں کے حوالہ کر دینا اور خود اس میں دخل نہ دینا کسی درجہ میں بھی قابل برداشت ہو سکتا ہے

کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ عہد حاضر کے علوم میں تو سائنس سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور ہے بھی بڑے کام کی چیز۔ اور اس سے خدا کے وجود اور اس کی الوہیت کا یقین بھی کامل ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس مضمون کو بھی مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل کرنا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ کسی کالج یا کسی یونیورسٹی میں بھی دنیا بھر کے تمام مضامین پڑھانے کا انتظام نہیں ہوتا۔ ہر ایک درسگاہ اپنے اپنے خاص مقاصد کے پیش نظر ان سے متعلق مضامین کی ہی تعلیم کا انتظام کرتی ہے۔

مدارس عربیہ کا مقصد ایسے علماء پیدا کرنا ہے جو علوم دینیہ اور عربی کے ساتھ وقت کی علمی اسپرٹ اور فکری رجحانات سے بھی باخبر ہوں نہ کہ انجنیئر، ماہرین صنعت و حرفت اور ٹیکنیشین ہوں۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ سائنس کی تعلیم مدارس عربیہ کے مقاصد کے ذیل میں نہیں آتی۔

ہندی

ہندی چونکہ ملک کی سرکاری زبان بن گئی ہے۔ اس لئے مدارس عربیہ کو اس زبان کی تعلیم کا بھی اب خاطر خواہ بندوبست کرنا ہوگا تاکہ ہمارے مدارس کے تعلیم یافتہ ملک کے کاروبار میں حصہ لے سکیں اور شہری زندگی میں درماندہ نہ رہیں۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر ممکن ہے کسی صاحب کے دماغ میں یہ خیال گزرے کہ اس تحریر کے مطابق تو ایک طالب علم کو ہر مضمون کے لئے کافی وقت دینا چاہئے تاکہ ایک ہی وقت میں وہ بڑا مفسر ہو اور محدث بھی، ادیب بھی اور فلسفی بھی، چناں بھی ہو اور چنیں بھی، تو گذارش یہ ہے کہ ان سطور کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ کس فن کی تعلیم کس طرح ہونی چاہئے ،، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ ہر طالب علم ہر مضمون کو مکمل طور پر نہیں پڑھ سکتا، اور یہ مدارس تو مدارس دنیا کے کسی جامعہ میں بھی نہیں ہوتا، اس لئے اب ہم آئندہ قسط میں نصاب کا ایک خاکہ پیش کریں گے، جس کو مدارس عربیہ اپنی اپنی ضرورتوں اور گنجائش کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے بعد قبول کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com